12

کیا ہم اپنے عہد پر استوار ہیں؟

(فرمودہ ۱۳ر اپریل ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

میں بوجہ بیماری کے نہ زیادہ اور نہ اونچا بول سکتا ہوں۔ مگر میری ذمہ داری بہت بڑی ہے جو مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں آپ لوگوں کو ان فرائض کی طرف توجہ دلاؤں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر لگائے گئے ہیں۔

ہم لوگ مسلمان ہیں اور پھر ہم احمدی ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اسلام کی وہ حقیقت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا پر واضح اور ظاہر فرمائی اور بعد میں وہ دنیا سے مخفی ہو گئی۔ حضرت احمد علیہ السلام کے ذریعہ سے پھر ہم کو نصیب ہوئی۔ اور ہم نے اس کو پایا۔ بلحاظ مسلمان اور احمدی ہونے کے ہم وثوق رکھتے ہیں کہ جس خدا کو ہم مانتے ہیں وہ زندہ ہے مردہ نہیں۔ ہم کسی قوم کی طرح یہ نہیں کہتے کہ خدا پہلے بولتا تھا مگر اب نہیں بولتا۔

ہم دوسری قوموں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ کسی وقت اللہ کے قرب کے دروازے کھلے تھے مگر اب نہیں۔ ہم دوسری قوموں کی طرح یہ بھی نہیں کہتے کہ کسی زمانہ میں خدا کی قدرتیں ظاہر ہوتی تھیں مگر اب نہیں۔ ہم دوسری قوموں کی طرح یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ نے قانون قدرت بنا کر خود دست کشی کر لی ہے۔ اور اب معطل ہو بیٹھا ہے۔

ہم نہ تو بعض نادان اور جاہل قوموں کی طرح خدا کو بندوں کی طرح محدود اور مقید مانتے ہیں اور اس کے لئے مرنا اور پیدا ہونا اور کھانا پینا تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی نہ تھیں۔ اب ہو گئی ہیں۔ بلکہ ہم اس کی صفات ہمیشہ سے مانتے ہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات بیٹا پیدا کرنے سے پاک ہے کسی انسانی یا حیوانی وجود کا جامہ پہننا اس کی شان کے برخلاف ہے۔ مخلوق کے سامنے اگر آتا ہے تو جلال' جلوہ نمائی' قدرت اور طاقتوری کے اظہار سے آتا ہے نہ انسانی جامہ میں ہو کر۔

اور ہم مانتے ہیں کہ وہ اب بھی بولتا ہے جیسے پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی قدرت نمائی کرتا ہے جس طرح پہلے کرتا تھا۔ جس طرح پہلے اس کے قرب کے دروازے کھلے تھے اور مقرب لوگ اس کی نعمتوں کے وارث ہوتے تھے اب بھی کھلے ہیں اور وہی نعمتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ہمارے یہ عقائد کوئی فروعی مسائل نہیں کہ ماننا یا نہ ماننا برابر ہو بلکہ یہ مسائل وہ ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم نے مختلف قوموں سے لڑائی جھگڑا شروع کر رکھا ہے اور ان سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

ہندوؤں سے ہماری لڑائی ہے تو انہی عقائد کیوجہ سے۔ عیسائیوں سے ہماری جنگ ہوتی ہے تو محض ان عقائد کی بنا پر۔ یہودیوں کا جو ہم سے جھگڑا ہے تو وہ بھی ان عقائد کی وجہ سے۔ ہم سکھوں سے جو علیحدہ ہیں تو ان عقائد کی وجہ سے۔ زرتشتیوں سے جو ہماری جنگ ہے تو ان عقائد کے لئے۔ پارسیوں سے بھی ہماری لڑائی ان مسائل کے متعلق ہی ہے ورنہ ہم سب ایک دادا کی اولاد ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہم نے ان سے قطع تعلق کر لیا ہے؟ محض ان عقائد کی وجہ سے۔ پھر انہی عقائد میں سے بعض کی وجہ سے مسلمان کہلانے والے ہم سے جدا ہیں۔

اگر یہ عقائد نہ ہوں تو ہم میں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اور جھگڑے کی بنیاد یہ عقائد ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ جب کسی کے عقائد گندے ہوں تو اس سے مجبوراً علیحدہ ہونا پڑتا ہے۔ پس یہ فروعی باتیں نہیں بلکہ اصول اور نہایت اہم امور ہیں جن کی خاطر ہم نے مادی دنیا سے جنگ چھیڑی ہوئی ہے۔ تو اب اگر ان عقائد میں ہی ہم کمزور ہوں اور ان سے عملی فائدہ کوئی نہ اٹھائیں تو ہم سے بدقسمت اور بدنصیب کون ہوگا۔ اس شخص کی بدبختی میں کیا شبہ رہ جاتا ہے جو ان عقائد کے لئے تو دنیا بھر سے لڑائی کرے مگر ان سے عملی فائدہ کے حصول کی کوشش نہ کرے۔ ایسا شخص یقیناً ایک حقیقت کو چھوڑتا ہے۔ مثلاً اگر ہم ہندوؤں یا عیسائیوں سے تعلق رکھیں تو جو فوائد ہم کو حاصل ہو سکتے ہیں وہ ایک حقیقت ہے یا جو فوائد یہودیوں اور زرتشتیوں اور غیر احمدیوں سے ملنے سے ہم کو مل سکتے ہیں۔ وہ ایک واقعی حقیقت ہے۔ لیکن اگر ہم ایک لفظ کی کوئی حقیقت معلوم کر لیں اور اس کی کنہ کو پالیں تو یہ صرف ایک لفظی فائدہ ہے۔ اور لفظی فائدہ حقیقی نہیں ہوتا۔ تو اب سوچ لو کہ اگر ان عقائد سے ہم نے صرف لفظی فوائد ہی حاصل کئے ہیں تو کیا فائدہ۔ یاد رکھو حقیقی فوائدہ تب ہی قربان کئے جا سکتے ہیں جب ان سے بڑھ کر ملیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ تم نے ان عقائد کو کہاں تک عملی جامہ پہنایا ہے اور کہاں تک ان سے حقیقی فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارا اگر غیر احمدیوں سے یہ اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی قدرت نمائی کرتا اور سنتا بولتا ہے۔ جس طرح کہ پہلے کیا کرتا تھا تو اس سے ہم نے عملی فائدہ کیا اٹھایا۔ اگر کہو کہ ہم اپنی مصائب میں اس سے دعا کرتے ہیں تو یاد رکھو کہ ذاتی مصائب اور تکالیف کے وقت تو دہریہ بھی

خداتعالیٰ کی طرف توجہ کرلیتا ہے۔

میں نے بارہا مثال سنائی ہے کہ ۱۹۰۵ء میں جب زلزلہ آیا تو لاہور میں ایک ہندو تھا جو دہریہ تھا۔ وہ زلزلہ سے گھبرا کر رام رام کہتا ہوا بھاگا۔ جب زلزلہ تھم گیا تو اس سے دریافت کیا گیا کہ تو تو کہا کرتا تھا کہ خدا کوئی نہیں۔ اب یہ کیا ہو گیا۔ اس نے کہا عادت تھی منہ سے نکل گیا۔ حالانکہ اصل میں عادت نہ تھی وہ تو خدا کو برا بھلا کہا کرتا تھا ذاتی طور پر خطرہ دیکھ کر بے اختیار رام رام بول اٹھا۔ کیونکہ خطرہ کے اہم خیال نے مصنوعی خیالات کو دبا لیا اور انسان کے اندر جو مخفی شہادت ہستی باری تعالیٰ کی ہے وہ منہ پر جاری ہو گئی مگر وقت گذر جانے پر پھر کچھ نہیں۔

پس ذاتی مصائب میں خدا کی طرف توجہ کرنا مومن سے خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ ایسے اوقات میں تو دہریہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ حقیقی یقین اور ایمان اور وثوق کا اس وقت پتہ لگتا ہے کہ جب قومی مصائب میں انسان خدا کی طرف توجہ کرے۔ جو قوم ایسے اوقات میں خداتعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ وہ اس بات کو ثابت کر دیتی ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے کیا تعلق ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کیا نہیں؟ یہی تو کہ وہ قومی مصائب میں دعا نہیں کرتے بلکہ الٹے سادھوؤں اور قبروں سے جاکر منتیں مانگتے ہیں۔ ہم لوگ ان عقائد کے لئے سب دنیا سے جنگ کر رہے ہیں۔ اگر ان سے پورے طور پر فائدہ نہ اٹھائیں تو بہت افسوس کا مقام ہو گا۔

میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ خاص طور پر دعاؤں میں لگ جائیں۔ ساری دنیا اس وقت حملہ کر رہی ہے۔ کئی سالوں سے عیسائی لوگ اس گھات میں تھے کہ کب موقعہ ملے تو مسلمانوں کو کھا جائیں۔ سو اب انہوں نے بھی حملہ کر دیا ہے اور بہت سے لوگوں کو اسلام سے مرتد کر رہے ہیں۔ یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی اپنی سستی اور غفلت کا نتیجہ ہے مگر ان کو تو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی فکر نہیں کہ وہ یا ان کی اولادیں عیسائی بن جائیں۔ ان باتوں کا اور ان حملوں کا دکھ اگر کسی کو ہو سکتا ہے تو وہ ہم ہی ہیں کہ جنہوں نے مذہب کو سمجھ کر قبول کیا اور حقیقت دیکھ کر مانا غیروں کو کیا درد ہے۔

دوسری طرف ہندوؤں کو دیکھو کہ جن میں کبھی ایک آدمی بھی شامل نہ ہوتا تھا۔ آج ہزاروں کو اپنے اندر داخل کر رہی ہے۔ وہ قوم جس میں سے ہمیشہ لوگ جاتے رہے ہیں اور کبھی شامل نہیں ہوئے وہ بھی اسلام کو ملیا میٹ کرنے کی فکر میں ہے۔ مسلمانوں کی حالت اس وقت بالکل بے بسی کی ہے۔ یہ حملہ بالکل نیا اور خطرناک ہے جس کا مسلمانوں کو کوئی علاج نہیں سوجھتا۔ پھر سکھوں نے بھی حملہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہت جگہ سے اطلاعیں آرہی ہیں کہ بہت سے مسلمان سکھ ہو رہے ہیں۔ یہودی قوم نے بھی تبلیغ کا فیصلہ کر دیا ہے اور شام میں شروع بھی کر دی ہے۔ پس ایسے وقت

میں مسلمانوں کی حالت بالکل ایسی لاوارث مال کی ہے۔ جس کو ڈاکوؤں کی جماعت تقسیم کر رہی ہو۔ اور اسلام ایک بے بسی کی حالت میں ہے۔ اب ہماری جماعت اگر اپنے دعاوی میں صادق ہے تو اس کا فرض ہے کہ اسلام کی حمایت میں نکل پڑے۔

پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس موقعہ کی خصوصیت کے لحاظ سے دعاؤں میں مصروف ہو جائیں۔ ہمارے پاس طاقت قوت مال و دولت کچھ نہیں۔ صرف خدا کی ذات ہے جس سے ہم یہ کام کروا سکتے ہیں۔ کام کرنا تو اسی کا کام ہے مگر اس نے ہم کو سامان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے ہمارے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ ظاہری سامان چندہ وغیرہ بھی مہیا کر دیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو اتنے بڑے دشمن کے مقابلہ میں میں اپنے سامان کرنا ہنسی سمجھتا اور اس کو جنون خیال کرتا۔ اگر خدا کے حکم کے بغیر ہم ایسا کرتے تو میں اپنے آپ کو پاگل سمجھتا۔ مگر کیا کریں اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ اس کی نصرت پوری سامانوں اور جدوجہد کرنے کے بعد آتی ہے تاکہ اخفا کا پردہ نہ اٹھے کیونکہ وہ نامحرموں سے پردہ کرتا ہے جس طرح ایک عورت نامحرموں سے کرتی ہے۔ اسی طرح خدا بھی اپنے نامحرموں سے پردہ کرتا ہے اور ان سے مخفی رہتا ہے جب تک کہ خود انسان کوشش کرکے اس پردہ کو چاک نہ کردے۔

پس یہ اس کی سنت ہے کہ وہ قدرت نمائی اسی وقت کرتا ہے جب ظاہری سامانوں سے کام لیا جائے تا اس نصرت میں اخفا کا رنگ پیدا ہو جائے۔ مومن بھی سامانوں سے کام لیں مگر جو نتائج ان کے نکلتے ہیں ان کے ساتھ تائید غیبی ہوتی ہے۔ جب تک کسی کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت نہ ہو تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتی اور چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اس کے فضل پر موقوف ہے۔ جب تک خدا کا فضل دستگیری نہ کرے تو انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ پس میں جماعت کو خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اہمیت کے مناسب دعاؤں میں لگ جائیں۔ ان کے دل کو ٹھیس لگے اور دل سے آہیں نکلیں جو خدا کے فضل کی جاذب ہوں۔ ان کو ایک اور صرف ایک ہی امید گاہ نظر آوے اور ان کی مصیبت کا ماویٰ و ملجأ صرف اللہ کی ذات ہو۔ یہ بات حاصل ہو جائے تو اصل ایمان اور وثوق یہی ہے۔ پھر اگر ساری دنیا بھی تم سے جھگڑتی ہے اور خدا تمہارے ساتھ ہے تو وہ دھوکہ خوردہ ہے کیونکہ تمہاری پشت پناہ وہ ہستی ہے جس کی قدرتوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کامیابیوں کی کنجی نصرت الٰہی ہے اور وہ اس کے ساتھ محبت اور تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور توکل کرنے اور اس کے آستانے پر گر جانے سے ملتی ہے۔ اگر تم ایسا کرو تو خدا تمہارے لئے جلال دکھائے گا اور قدرت نمائی کرے گا اور جس طرح تمہاری ذاتی ضروریات کو پورا کرتا ہے تم کھانا مانگتے ہو تو تمہیں کھانا دیتا ہے۔ تم پینے کے لئے مانگتے ہو اور تم کو ستر ڈھانکنے کی

حاجت ہوتی ہے۔ تو وہ تم کو پینے کے اور ستر ڈھانپنے کے سامان دیتا ہے۔ تمہیں رشتہ داروں کے لئے اور اپنے لئے مال کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ تمہاری جائداد سے مدد کرتا ہے۔ اسی طرح وہ تمہاری قومی مصائب کو دور کرے گا اور تم ان تکالیف سے نجات پاؤ گے۔ وہ تمہیں نصرت دے گا اور یقیناً دے گا اگر تم یقین کرو اور اس کی ذات پر توکل کرو۔ پس اس جگہ کے احباب بھی اور باہر کے لوگ بھی خصوصیت سے دعائیں کریں اور آگے سے بہت بڑھ کر کریں کیونکہ ہر ایک وقت اور کام کے لئے الگ الگ ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں ایک قوت موازنہ رکھی ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اندازہ کرتی ہے کہ کس کام کے لئے کتنی ضرورت ہے اور کتنی طاقت خرچ کرنی چاہیئے۔ یہ حس حواس خمسہ سے زائد ہے۔ مثلاً اگر ایک سوئی اٹھانی ہے تو اس کے لئے ایک جوش اور قوت کی ضرورت ہے مگر ایک من کے اٹھانے کے لئے جو جوش اور قوت درکار ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک سوئی کے لئے الگ تیاری ہوتی ہے اور ایک من کے لئے الگ۔ پس یہ قوت موازنہ ہے جو انسان کو ہر کام کے وقت صحیح اندازہ بتاتی ہے اور اس طرح انسان کی طاقتیں محفوظ رہتی ہیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ طاقت خرچ نہیں کرتا اور جس کام کے لئے زیادہ قوت خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے تھوڑی طاقت خرچ کرکے انسان ناکام نہیں رہ جاتا ہے بلکہ ہر کام کے مناسب طاقت خرچ کرکے کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مومن ہروقت دعائیں کرتا ہے مگر جس طرح ایک من بوجھ اٹھانے کے لئے اگر کوئی شخص سوئی کی طاقت خرچ کرے گا اور اس کو اٹھانے لگے گا تو اس کی طاقت ضائع ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ اس کے حواس میں فرق آگیا ہے۔ جس طرح سننے کی طاقت ہوتی ہے جس سے انسان سنتا ہے جب وہ ضائع ہو جاتی ہے تو اس کو بہرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر تھوڑی طاقت سے بڑا کام کرنے کا ارادہ کرے تو ماننا پڑے گا کہ اس میں موازنہ کی حس نہیں یا کمزور ہو گئی ہے اور باطل ہو گئی ہے۔

بے شک ہماری جماعت دعائیں کرتی ہے مگر آج جو کام درپیش ہے اس کا سینکڑواں حصہ بھی پہلے نہ تھا۔ پس پہلے جو ہم دعائیں کرتے تھے۔ وہ اس وقت بہت تھوڑی ہیں۔ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر دعائیں کرو اور گریہ وزاری میں لگ جاؤ تا خدا تعالیٰ کی نصرت تمہارے شامل حال ہو۔

موقع کے مطابق زور لگاؤ جب تک تم پورے جوش اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرو گے تو تمہیں کبھی نصرت نہ ملے گی اور تمہاری کوشش رائیگاں جائے گی۔

یہ مت خیال کرو کہ پہلے بھی دعا کرتے تھے کیونکہ میں بتا چکا ہوں کہ وہ دعائیں اس وقت اس

کام سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ اگر تم ایسا کہو تو تم نے یقیناً اس کام کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ پس تم اس کام کی اہمیت کے لحاظ سے دعائیں شروع کرو۔ عجز و انکساری اختیار کرو۔

اگر ہماری جماعت اس بات کو سمجھ لے تو ان پر رحمت الٰہی کے دروازے کھل جائیں اور جس طرح اب مجھے اپنے سامانوں کو دیکھ کر ہنسی آتی ہے پھر دشمن پر ہنسی آئے کہ خدا کی ہستی ہمارے ساتھ ہے۔ مگر نادان دشمن ہمارا مقابلہ کرتا ہے۔ گویا بالکل ہی نقشہ بدل جائے اور یہ صرف دعاؤں عاجزی خشوع و خضوع سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس تم دعاؤں میں لگ جاؤ اور نفس پرستی چھوڑ دو۔

اگر میری بات مان لو اور ایسا درد اور جوش پیدا کرو جو ایسے موقعہ پر کرنا چاہیئے اور خدا سے مدد مانگو تو دشمن کی ہستی ہی کیا ہے جو تمہارے سامنے ٹھہر سکے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ اس وقت فاتح مغلوب اور مغلوب فاتح بن جاوے اور یہ حالت صرف نصرت الٰہی پر منحصر ہے۔ دنیا تو ہم پہلے ہی کھو بیٹھے ہیں اگر خدا بھی نہ ملے تو ہماری یہی مثال ہوگی۔

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

پس تم پورے طور پر دعاؤں میں مصروف ہو جاؤ۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے احباب خصوصیت سے دعا کریں گے اور دعا سے ہی فیضان کے منبع کی قدر پیدا ہوتی ہے۔ صرف منہ سے کہنا کہ خدا تعالیٰ سنتا ہے اور بولتا ہے اور قدرت نمائی کرتا ہے۔ صرف دعاوی ہیں۔ جب تک ان کے ساتھ مشاہدہ نہ ہو اور وہ مشاہدہ خدا کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور دعائیں فضل کو جذب کرتی ہیں۔ پس تم دعاؤں میں لگ جاؤ اور عجز و انکساری کرو اور سچے مومن کے کام کرو تا یہ نشان پورے ہوں اور خدائے واحد کا جلال ظاہر ہو اور دنیا سے کفر و فسق مٹ جائے اور دنیا میں امن و امان ہو اور خالص توحید پھیل جائے۔ آمین۔

(الفضل ۳ر مئی ۱۹۲۳ء)